Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

انجم مبین
لیکچرار، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد
سدرہ طاہر
ریسیرچ اسسٹنٹ، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد

میڈیا کا کردار، انسانی نفسیات اور میجک بلٹ تھیوری: پاکستانی اردو ڈرامہ "میرے پاس تم ہو" کا تجزیاتی مطالعہ

Anjum Mobeen
Lecturer ,Urdu Department, NUML, Islamabad
Sidra Tahir
Research Assistant, Urdu Department, NUML, Islamabad

Role of Media, Human Psychology and Magic Bullet Theory: An analytical study of urdu drama “Mere Pas Tum Ho”

The origin of the creative process brings from psychological attitudes, conscious and unconsciousness. Apart from the artist's own psychology, the second reference is the environment around him. Pakistani Urdu drama “Mery Pass Tum Ho” Played an important role in influencing human psychology. In this paper, by applying the magic bullet theory, the drama "Mere Paas Tum Ho" has been analyzed to how this drama captures the minds of the audience and viewers. In this paper, visual and expressive method of research has been adopted.

Key Words: Magic, Bullet, Theory, Audience, Psychological, Environment, Creative

Corresponding Author’s Email: sidra.tahir.fani@gmail.com

تخلیقی عمل کا سرچشمہ نفسیاتی رویوں، شعور اور لاشعور سے پھوٹتا ہے۔ فنکار کی اپنی نفسیات کے علاوہ دوسرا حوالہ اس کے ارد گرد پایا جانے والا ماحول ہے یہ دونوں حوالے نفسیاتی سطح پر اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کو مد نظر رکھ کر کائنات کے تمام مسائل کا احاطہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ پاکستانی اردو ڈراما" میرے پاس تم ہو" نے انسانی نفسیات کو متاثر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس مقالے میں میجک بلٹ تھیوری کا اطلاق کرتے ہوئے ڈراما "میرے پاس تم ہو" کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ کیسے یہ ڈراما سامعین و ناظرین کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اس مقالے میں بصری اور تاثراتی طریقہ تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔

کسی بھی تخلیق کار کی فکری صلاحیتوں کا ادب اور سماج سے گہرا تعلق ہوتا ہے ادب سماج کی پیداوار ہوتا ہے اور سماج کو متاثر کرنے کا ذریعہ بھی۔ ادب اپنا مواد سماج سے اٹھاتا ہے اور سماجی حقیقتوں کو الفاظ کا روپ دے کر تخلیق کار جس طرح معاشرتی حسن و قبیح کو دیکھتا ہے اسی طرح اپنی تخلیق میں سمو کر پیش کرتا ہے۔ اس بات کو راجیندر یوں بیان کرتے ہیں۔

" تخلیقی ادیب سماجی حقائق سے تاثرات حاصل کر کے ان تاثرات میں اپنے مخصوص ذہنی عمل سے اپنی شخصیت کا رنگ بھر کر انہیں زبان کے سانچوں میں ڈھالتا ہے۔ اس کا نقطہ آغاز زندگی اور سماج ہے اور منتہا تخلیق ادب "(۱)

تخلیقی عمل کا سرچشمہ نفسیاتی رویوں، شعور اور لاشعور سے پھوٹتا ہے۔ فنکار کی اپنی نفسیات کے علاوہ دوسرا حوالہ اس کے ارد گرد پایا جانے والا ماحول ہے یہ دونوں حوالے نفسیاتی سطح پر اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کو مد نظر رکھ کر کائنات کے تمام مسائل کا احاطہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ادب میں شاعری اور نثر کا تخلیقی سفر دراصل نفسیاتی عمل کا اظہار ہے۔ نفسیات انسانی کردار کے ذہن اور معاملے کا نام ہے۔ ادب کی تخلیق نفسیاتی عوامل کی کار فرمائی ہے۔ ایک تخلیق کار کی انسان ہونے کے ناطے اس کی اپنی نفسیات، محبت، نفرت، ضد، انا، دکھ سکھ، بھوک، جنس، انتقام، غصہ، حسد، احساس برتری جیسے عوامل سے جڑی ہوتی ہے۔

تخلیقی سرچشمے کے حوالے سے یہ سمجھا جاتا رہا کہ " آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں " لیکن ماہرین نفسیات نے یہ ثابت کیا کہ فکر و خیال کا یہ دھارا فنکار کے وجود سے ٹپکتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ تحریر کرتے ہیں:

"ادب کے ذریعے فنکار جذبات و خیالات کو اپنی نفسی اور شخصی خوبیوں میں ڈھال کر۔۔۔ ظاہر کرتا ہے۔"(۲)

ادب چاہے نثری صورت میں ہو یا شعری پیکر میں نفسیات کے ساتھ گہرے روابط کا غماز ہے۔ افسانوی ادب (داستان، ناول، ڈرامہ اور افسانہ) نفسی محرکات کی تصویر کشی کا مظہر رہا ہے۔ جس میں نفسیاتی شعور اور انسانی نفسیات کی کار

فرمائی دیکھی جاسکتی ہے۔ صحافتی ذرائع اور میڈیا کا کردار بھی معاشرے پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ جہاں یہ ذرائع مثبت کردار ادا کرتے ہیں وہاں انسانی نفسیات کو اپنی پوری گرفت میں کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ ہمارا موضوع بھی موجودہ دور میں میڈیا کا کردار انسانی نفسیات کے حوالے سے ہے۔

ایک تھیوری جس کو اصطلاح میں میجک بلٹ تھیوری کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا اطلاق ادب کی صنف ڈراما کو میڈیا کے ذریعے ناظرین و سامعین تک پہنچانے میں انسانی نفسیات پر مرتب ہونے والے اثرات پر ہو گا۔ حال ہی میں میڈیا میں ایک ڈراما "میرے پاس تم ہو" نشر ہوا۔ جس نے ہمارے معاشرے کو بری طرح متاثر کیا۔ اس مقالے میں ہم میجک بلٹ تھیوری کا اطلاق کرتے ہوئے اس ڈرامے کا تجزیہ کریں گے۔ لہٰذا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے میجک بلٹ تھیوری کی وضاحت کر لی جائے۔

میجک بلٹ تھیوری کا تعلق میڈیا سے ہے اس کا اطلاق میڈیا سے نشر ہونے والے پیغامات اور خبروں سے ہے۔ جن کا براہ راست اور گہرا اثر سامعین و ناظرین کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ جس سے شعوری اور لاشعوری طور پر اذہان متاثر ہو کر بے ساختہ رد عمل کا اظہار کرتے ہیں۔

میڈیا سے پیغامات یا خبریں ایک STIMULI یعنی تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ تحریک ایک میجک بلٹ MAGIC BULLETE یعنی جادوئی گولی کی مانند ہوتی ہے جو سامع اور ناظر کے Subconscious mind (نیم شعوری ذہن میں سرائیت کرتے ہوئے انسانی جذبات اور ان خاص تصورات کے مابین (جو اس تحریک کے پس منظر میں متحرک ہوتے ہیں) ان سے گہرا اور فوری تعلق جنم لیتا ہے۔

میڈیا کے اثرات کے حوالے سے جو اولین تھیوری سامنے آئی اس کو میجک بلٹ تھیوری کا نام دیا گیا ہے۔ بعض میڈیا ماہرین نے اسے بائیوڈرمک نیڈل تھیوری کا نام دیا۔ اس تھیوری کا آغاز ۱۹۲۰ سے ۱۹۳۰ کے درمیان ہوا۔ جس کے تحت پہلی بار میڈیا کے تحت نشر ہونے والے پروگراموں کے سامعین و ناظرین کے ذہنوں پر ہونے والے اثرات کا مطالعہ کیا گیا۔ اس تھیوری کے تحت میڈیا کے اثرات سامعین کی نفسیات کو بڑی حد تک اپنی گرفت میں لانے پر قادر ہے اور یہ اثرات بہت سرعت انگیز اور طاقت ور ہیں اور یہ اثرات فوری رد عمل کا باعث بھی بنتے ہیں۔

یہ تھیوری جنگ عظیم اوّل کے بعد منظر عام پر آئی۔ ہیر الڈ لیسویل نے ۱۹۲۰ میں اپنی تصنیف پروپیگنڈہ تکنیک ان دی ورلڈ وار (Propaganda Technique In the World War) میں یہ نظریہ پیش کیا۔[۳] جس کو میڈیا

ماہرین نے ہائپوڈرمک نیڈل کا نام دیا۔(HYPODERDERMIC NEEDLE THEORY) کا نام دیا۔اس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

ا۔ میڈیا کی ایک خبر ایسا محرک Stimuli ہے جو انسانی ذہن میں جادوئی گولی MAGIC BULLET کی طرح لگتی ہے ۔یعنی پیوست ہو جاتی ہے۔

۲۔ میڈیا انسانی، ذہن اور رویے کو بیک وقت گرفت میں لے کر انسان کو اپنی تخلیق کردہ دنیا میں لے جاتا ہے۔جو سراسر غیر حقیقی ہے۔

۳۔ زندگی اور ادب پر میڈیا کے بے جا اثرات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔[4]

۱۹۳۰ کے وسط میں میڈیا سکالر لرزنے میڈیا کے اثرات اور رویوں کے بارے میں اولین نظریہ دریافت کیا۔ جنگ عظیم دوم کے دوران میڈیا نے امریکہ اور جرمنی میں عوام کو متاثر کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔ جرمن نازیوں نے فلمی صنعت کو پروپیگنڈہ کے لیے استعمال کیا اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بہت سی فلمیں بنائیں۔ ان فلموں میں جرمنی کو شیطانی طاقت کے طور پر پیش کیا گیا اس دونوں حریفوں نے اپنے مد مقابل کے خلاف اپنی عوام کی سوچ بدلنے کے لیے میڈیا کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔

میڈیا کے ذریعے آنے والے پیغامات کے بارے میں سامعین لاعلم ہوتے ہیں۔اس لیے میڈیا ان کے ذہنوں کو براہ راست متاثر کرتا ہے یہ پیغام وصول کرنے کے بعد سامعین بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوری رد عمل دیتے ہیں۔ یہی صورتحال میجک بلٹ تھیوری کہلاتی ہے۔

اردو ادب میں ہم اس تھیوری کا مطالعہ Inter Displinary Study اردو کا دیگر شعبہ جات کے ساتھ تعلق یا ابلاغ عامہ کے اردو ادب پر اثرات کے حوالے سے کرتے ہیں:

اس تھیوری کو ہائپوڈرمک نیڈل تھیوری بھی کہا جاتا ہے اور نیڈل کے علاوہ لفظ سرنج بھی استعمال کیا جاتا ہے یہ تینوں الفاظ یعنی بلٹ، سرنج اور نیڈل ہی سے میڈیا سے نشر ہونے والے پروگرام کے اثرات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف سامعین جو نیم شعوری ذہنی کیفیت میں ہوتے ہیں براہ راست متاثر ہوتے ہیں۔اس Passive حالت میں ہوتے ہوئے اس پیغام کے خلاف مزاحمت نہیں کر سکتے۔ دوسرا اہم نکتہ کہ وہ اس پیغام کے متعلق پہلے سے علم نہیں رکھتے۔ اس حوالے سے میڈیا سے دیئے جانے والے پیغامات کو منفی اور مثبت دونوں طرح کے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس تھیوری کا اطلاق 1930 میں اس وقت سامنے آیا جب (مرکزی تھیٹر) جو حال ہی میں قائم کیا گیا تھا اور سن ویلز نے ایک نیوز بلٹن بنایا۔ جو ایلینز سے متعلق تھا نیو جرسی میں یہ نیوز بلٹن ایک ریڈیو پروگرام دی وار آف دی ورلڈ میں پیش کیا گیا۔ جس پر ایک ملین امریکیوں نے اندھا دھند یقین کر لیا۔ اس نشریات کی وجہ سے ملک بھر میں افراتفری کی صورتحال پیدا ہو گئی۔

موجودہ دور میں سماجی زندگی میں میڈیا کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ میڈیا انسانی نفسیات پر اثر انداز ہو کر انسانی فکر میں تغیر پیدا کرتا ہے اور پھر انسان کے رد عمل کو متعین کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس تھیوری کے تحت میڈیا انسانی نفسیات اور رویوں پر اس قدر عمیق اثرات مرتب کرتا ہے کہ انسان صرف وہی دیکھتا اور سوچتا ہے جو میڈیا اسے دکھانا چاہتا ہے یا جو فکر میڈیا انسان شعور میں سمونا چاہتا ہے۔ انسان کا رد عمل اسی کے تابع ہو جاتا ہے۔ گویا اس کے تحت انسانی ذہن ایک کٹھ پتلی کی طرح کام کرتا ہے۔ جسکی ڈوریاں میڈیا کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ گویا میڈیا ایک ایسا موکل ہے کہ جس کے ذریعے کسی بھی سماج میں بسنے والوں کی سوچ اور عمل میں من چاہی تبدیلیاں لانے کا کام بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ یہ تبدیلی مثبت اور منفی دو طرح کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ میڈیا بلاشبہ انسانی فکر کو تبدیل کرنے کی جادوئی قوت کا حامل ہے۔ اگر ہم پاکستانی چینلز پر نگاہ دوڑائیں تو ابتدا میں (پی ٹی وی) ایک چینل ہوتا تھا جس کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی جو حکومت کے موقف کو سامنے لاتا تھا۔ اس میں جو پروگرام نشر کیے جاتے تھے اس میں حکومتی حمایت کے ساتھ ساتھ ملکی و قومی مفاد کو اہمیت دی جاتی تھی۔ قومی زبان اور اخلاقی اقدار اور قومی سالمیت کو مد نظر رکھا جاتا تھا۔ لیکن 2008 جنرل پرویز مشرف کے دور میں صحافتی آزادی کے ساتھ میڈیا کو بھی آزادی دی گئی اس کے ساتھ بے شمار ٹی وی چینلز منظر عام پر آ گئے۔ یہ ٹی وی چینلز ایک بزنس بن گئے ہیں اور دوسرے کاروباروں کی طرح ان کا اپنا ایجنڈا ہے کہ ایسے پروگرام نشر کیے جائیں جن کی ریٹنگ زیادہ ہو زیادہ سے زیادہ پیسہ کمایا جا سکے کرونا ہی کی مثال لے لیجئے میڈیا نے اتنی شد مد سے اس وائرس اور اس کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی تشہیر کی اور لوگوں کی نفسیات پر اس قدر گہرا اثر ڈالا کہ لوگ بری طرح خوف زدہ ہوئے لوگوں کے ذہنوں کو میڈیا کی خبروں نے اس طرح اپنے حصار میں لیا بلکہ بے شمار لوگ ڈیپریشن کا شکار ہوئے۔

لیکن جب میڈیا نے اس پر فوکس کم دیا تو لوگ بھی نارمل ہو گئے۔ میڈیا کا کردار مثبت اور منفی ہر لحاظ سے اہم ہے جذباتی ہیجان پیدا کر کے میڈیا کے ذریعے سے متعلقہ مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑھ رہا ہے کہ حال ہی میں اختتام پذیر ہوئے ڈراما سیریل "میرے پاس تم ہو" نے بھی عوام پر میجک بلٹ تھیوری جیسا اثر ڈالا۔ ڈرامے کی مقبولیت کے باوجود عوام کے رویوں پر حیرت کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی ادارک ہوا کہ واقعی لوگوں کے

دماغ پر ڈرامے نے گہرا اثر چھوڑا ہے۔ مگر جس قدر انسانی دماغ سے کھیلا گیا اس پر عش عش کرنے کو دل کرتا ہے۔ جہاں ایک کردار کی موت انسانی دماغ پر اتنی حاوی ہوگئی کہ کئی دن تک لوگ اس موت کا سوگ مناتے رہے۔ جب کہ حقیقی زندگی میں ہمارے روزمرہ مشاہدے میں آتا ہے کہ کئی حادثات رونما ہوتے ہیں۔ آئے روز انسانی جانیں کسی نہ کسی حادثے کا شکار ہوتی ہیں ہم ان خبروں کو دیکھ کر یا سُن کر وقتی طور پر پریشان ہوتے ہیں اور یہ کیفیت چند لمحوں کی ہوتی ہے پھر لوگ ان کو بھلا اپنی زندگیوں میں محو ہو جاتے ہیں۔ میجک بلٹ تھیوری کے تحت میڈیا کا کردار یہی ہے کہ جب تک میڈیا کسی واقعے یا کہانی کا پرچار شدومد سے کرتا ہے۔ لوگ اس کے سحر میں گرفتار رہتے ہیں جب میڈیا اس خبر کی اہمیت کم کر دیتا ہے تو وہ چیز عوام یا سماج کے ذہنوں سے محو ہونے لگتی ہے۔

اس سارے تناظر میں میڈیا کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ادب کو سماجی زندگی کی عکاسی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے ادبی اصناف چاہے وہ ناول ہو، افسانہ ہو یا ڈرامہ ابتدا سے ہی انسانی زندگی کے عکاس سمجھے جاتے ہیں۔ الیکٹرونک میڈیا کی ترقی سے ڈراما سٹیج سے ہوتا ہوا میڈیا کے ذریعے ایک وسیع حلقے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ ڈراما ہماری معاشرتی حسن و قبیح کی عکاسی کا ذریعہ ہے۔ ڈرامے کے کردار اور مکالمے ہمارے احساسات و جذبات کو متاثر کرتے ہیں اور وقتی طور پر انسانی نفسیات کو اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں۔ میڈیا پر پچھلے کچھ عرصے میں مقبولیت حاصل کرنے والا ڈراما "میرے پاس تم ہو" خلیل الرحمن قمر کی تخلیق نشر ہوا تو اس کے خوبصورت مکالموں، اداکاروں کی عمدہ اداکاری اور دلکش ڈرامائی مناظر نے انسانی نفسیات کو بہت متاثر کیا اس ڈرامے کی کہانی پر ایک نظر ڈال لیتے ہیں۔ اس ڈرامے کے مرکزی کردار دانش، مہوش، رومی اور ہانیہ ہیں۔ اس ڈرامے میں خلیل الرحمٰن قمر نے کرداروں کے نہایت خوبصورت مکالمے پیش کیے ہیں۔ اس ڈرامے میں جہاں خلیل الرحمٰن نے مرد کو محبت کا دیوتا دکھایا ہے وہی عورت کو خود غرضی کی چادر میں لپٹا دکھایا ہے۔

ڈرامے کے ہیرو "دانش" کے دل موہ لینے والے مکالمے ملاحظہ کیجیے:

"تمھارے علاوہ کوئی دوست ہی نہیں ہے۔ مجھے لگا میرے پاس تم ہو تو مجھے کسی دوست کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"

"کبھی جب لگتا ہے میری جیب میں پیسے کم ہیں تو والٹ نکال کر تمھاری تصویر دیکھ لیتا ہوں پھر میں امیر ہو جاتا ہوں۔"(5)

مہوش اور دانش ایک خوبصورت شادی شدہ جوڑا تھے۔ دونوں جیسے ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے اللہ تعالی نے ایک پیارے سے بیٹے سے بھی نوازا تھا۔ یہ ان کی محبت کی شادی تھی۔ یونیورسٹی میں دونوں ساتھ پڑھتے تھے وہیں ایک دوسرے کے ساتھ جینے مرنے کے وعدے ہوئے اور پڑھائی کے بعد شادی بھی کر لی۔

دانش نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی اس کی تنخواہ اتنی زیادہ تو نہ تھی مگر اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش تھے۔ بچے کے ساتھ مزے سے رہتے لیکن مہوش کی خواہشات کبھی کبھار اسے پریشان کر دیتیں۔ بیٹا پانچ سال کا ہونے کو تھا لیکن اب اسکول نہیں جاتا تھا کیونکہ مہوش کا خیال تھا کہ اسے اچھے سکول میں جانا چاہیے نہ کہ گلی محلے کے کسی سکول میں۔ اس کی ایک سہیلی کا ان کے ہاں آنا جانا تھا سہیلی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی بیٹی شہر کے مہنگے اسکول میں پڑھتی تھی اور مہوش بھی اپنے بیٹے رومی کو وہاں داخل کرانا چاہتی تھی۔ مہوش اپنی سہیلی کے رہن سہن سے بہت متاثر تھی وہ بھی اس کی طرح اچھے اور مہنگے کپڑے چاہتی تھی۔ بڑی گاڑی میں گھومنا پھرنا، لیکن دانش کی محدود تنخواہ میں یہ ممکن نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے بساط سے بڑھ کر مہوش کی ضروریات پوری کیں۔ وہ مہوش کو بہت چاہتا تھا اور اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا لیکن اپنی تربیت اور ایمانداری کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اپنے ابا کی باتیں اس سے کسی بھی غلیظ کام سے روک دیتی تھیں۔ مہوش کے لاکھ کہنے کے باوجود وہ رشوت نہیں لے سکا تھا۔ حالانکہ اس کے ایک دستخط کی قیمت کئی لاکھ تھی ایک دن مہوش نے ایک نیکلس لینے کی خواہش کا اظہار کیا جو سہیلی کے ساتھ شاپنگ کے دوران اس نے پسند کیا تھا۔ مہوش نے اسے بتایا کہ وہ کافی پیسے جمع کر چکی ہے۔ کچھ رہتے ہیں یہ نہ ہو کہ نیکلس بک جائے۔ اسی دوران ایک فائل دستخط کے لیے آئی اور اس کے باس نے اسے بتایا کہ اگر وہ دستخط کر دے گا تو اسے دو لاکھ ملیں گے۔ مہوش کی سہیلی کے بھائی کی شادی بھی سر پر آگئی تھی۔

دانش مہوش کو دکھ نہیں دینا چاہتا تھا اس نے یہ آفر قبول کر لی اور مہوش کے لیے نیکلس خرید لیا۔ ادھر مہوش نے بھی سہیلی سے ادھار لے کر نیکلس خرید لیا۔

ایک دن جب وہ آفس آیا تو دیکھا کہ اس کا باس پکڑا گیا ہے وہ بہت ڈر گیا۔ لیکن اگلے دن باس کو آفس میں دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ باس نے بتایا کہ پیسے دے کر اس نے کیس ختم کروالیا ہے۔ اب اس کا ڈر کسی حد تک کم ہو گیا کہ پیسے دے کر ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں وہ مرے ہوئے ابا جی کی باتیں بھی نظر انداز کرنے لگا۔

پہلی بار رشوت لینے کے بعد اس نے مہوش سے کہا کہ "ابا کی باتوں کو نظر انداز کرنا ایسا ہی ہے جیسے مرے ہوئے ابا کو لات مارنا"۔ لیکن مہوش کو خوش کرنے کے لئے وہ یہ بھی کر گزرا۔

مہوش کے دوست کے بھائی کی شادی دانش کے لئے ایک مصیبت سے کم نہیں تھی۔ اس شادی نے اس کی آنے والی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ انوشے کے بھائی کے باس سے مہوش کی ملاقات شاپنگ کے دوران ہوئی۔ مہوش کو دیکھ کر وہ اس کے حسن کا گرویدہ ہو گیا۔ وہ ایک اوباش انسان تھا بیوی کی دولت پر عیاشی کر رہا تھا۔ بیوی سے اکثر جھگڑا رہتا تھا۔

وہ امریکہ میں رہتی تھی۔ اس لیے وہ یہاں اکیلا تھا۔ دوسری ملاقات اس سے شادی پر ہوئی۔ دانش نے خاص طور پر محسوس کیا کہ وہ شخص اس کی بیوی پر لٹو ہو گیا ہے۔ دانش کو بہت برا لگا۔ شہوار باس کا نام تھا۔ جس نے مہوش کو راہ راست سے بھٹکانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ شاید وہ بھی جان چکا تھا کہ مہوش دنیاوی چیزوں اور چمک دمک سے متاثر ہونے والی لڑکی ہے۔ مہوش ظاہری چمک دمک اور امارت سے ایسی متاثر ہوئی کہ اس نے اپنے بیٹے کو بھی بھلا دیا اور سب کچھ گنوا بیٹھی۔

دانش کو خطرے کی بو آ رہی تھی وہ گاہے بگاہے اسے سمجھا رہا تھا اسے بتا رہا تھا۔ "میں ڈر گیا ہوں مہوش: مجھے لگا! کہ تم اتنی طاقتور نہیں ہو مروت میں عورت کی حرمت بھول جاتی ہو"۔

شہوار گھر تک آ گیا۔ مہوش سے فون پر بات کرنے لگا مہوش نے دانش کو نہ بتایا کہ وہ شہوار سے رابطے میں ہے۔ شہوار نے دانش سے دوستی بھی کر لی اور اسے گھر آنے کا کہا نہ چاہتے ہوئے بھی اسے حامی بھرنا پڑی۔ واپسی پر شہوار نے انہیں انتہائی قیمتی تحائف بھی دیے۔ مہوش نے خوش دلی سے قبول کر لیے۔ لیکن دانش کو لگا وہ دلالی کر رہا ہے۔ اس نے یہ مہوش کو کہہ دیا لیکن مہوش ناراض ہونے لگی۔ دانش کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ دوسری طرف مہوش مسلسل شہوار سے رابطے میں تھی۔ شہوار باتوں باتوں میں اسے یہ احساس دلاتا کہ وہ دانش کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ بہت زیادہ کی مستحق ہے۔ اس کے حسن کی اتنی تعریف کرتا کہ مہوش نہال ہو جاتی۔ وہ سمجھنے لگی کہ وہ شہوار کے ساتھ ہوتی تو کتنی خوش قسمت ہوتی۔

شہوار نے ایک اور وار ایسے کیا کہ اسے اپنے دفتر میں ملازمت کی پیشکش کر دی اور تنخواہ ایک لاکھ اور ساتھ گاڑی بھی، مہوش نے کسی نہ کسی طرح دانش کو راضی کر لیا اور وہ شہوار کے دفتر جانے لگی۔ شہوار نے اسے بتایا کہ وہ اسے دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اس کے آس پاس موجود رہے اور اس کا خیال رکھے مہوش کو اور کیا چاہیے تھا اس کے تو تیور ہی بدل گئے۔ دن بدن زیادہ خوبصورت ہوتی چلی گئی۔ رومی کا اسکول میں داخلہ ہو گیا۔ گھر میں ملازمہ رکھ لی گئی۔ گاڑی مل گئی لیکن دانش کو کسی طرح سکون نہیں تھا۔ چھٹی حِس اسے بار بار آنے والے طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔

ڈرامے کا ایک کردار مونٹی بھی تھا جو مہوش پر لٹو تھا اور ان کی بلڈنگ میں ہی رہتا تھا وہ بھی گاہے بگاہے مہوش کو یہ احساس دلاتا کہ اس کا اور دانش کا مس میچ ہے۔ وہ تو کسی محل میں رہنے کے قابل ہے۔ مونٹی کے بعد شہوار کے ساتھ نے اس احساس کو دوچند کر دیا۔ آفس میں شہوار کی قربت، محبت اور توجہ اسے گھر سے دانش سے اور یہاں تک کہ رومی سے بھی

بیگانہ کرنے لگی۔ دانش کو اس بات کا شدید احساس تھا لیکن وہ مہوش کو روک نہیں سکتا تھا کیونکہ اب اگر وہ روکتا تو وہ کبھی نہ رکتی اور وہ اپنا بھرم قائم رکھے ہوئے تھا اور اس کی ہر بات کو چپ چاپ سہ رہا تھا۔

مہوش اب اکثر اس سے باتیں چھپانے لگی تھی۔ ایک دن شہوار نے اسے بتایا کہ انہیں میٹنگ کے لیے اسلام آباد جانا ہے اور وہ اس کے ساتھ جائے گی پہلے تو وہ نہ مانی لیکن جب شہوار نے اسے کہا کہ دانش کو نہیں پتا چلے گا ہم صبح جائیں گے اور شام کو واپس آ جائیں گے اس نے دانش کو نہ بتایا اور چلی گئی۔ واپسی کی فلائٹ لیٹ ہو گئی ادھر دانش کی چھٹی حِس مسلسل اسے گڑبڑ کی اطلاع دے رہی تھی۔ دانش نے مہوش کو بہت فون کیے مگر جواب نہ آیا۔ آخر اس نے آفس فون کیا تو اسے وہاں سے پتہ چلا کہ وہ باس کے ساتھ اسلام آباد گئی ہے۔ دانش کا دماغ گھوم گیا۔ فلائٹ کی واپسی کا ٹائم پتہ کیا اور ایئرپورٹ کی طرف بھاگا۔ اسے یہ سفر زندگی کا سب سے لمبا سفر لگا۔ دوسری طرف مہوش اپنا سب کچھ شہوار پر لٹا کر واپس آ رہی تھی اور اس کا یہ سفر بھی بہت کٹھن تھا۔ وہ دوراہے پر تھی اور اب اسے فیصلہ کرنا تھا اور یقیناً یہ فیصلہ شہوار کے حق میں ہی ہونا تھا کیونکہ جو وہ اسے دے سکتا تھا دانش نہیں دے سکتا تھا۔

دانش نے اس سے آفیس جانے سے روک دیا۔ اب فیصلے کی گھڑی تھی۔ شہوار نے باتوں میں اسے اتنے خواب دکھائے کہ بالآخر اسے دانش سے بات کرنی پڑی پر وہ نہ مانا۔ آخر کار اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ دانش تو ٹوٹ سا گیا۔ یہ ایک قیامت تھی مگر گزر گئی۔ وہ نہ بھی مانتا تو مہوش نے کہاں رکنا تھا۔ شہوار نے اسے دس بجے کا ٹائم دیا اور بالآخر شہوار مہوش کو لے گیا۔ کچھ دنوں یا کچھ مہینوں تک دانش بہت صدمے میں رہا۔ رومی بھی بہت روتا۔ اس نے رومی کو اس کی مرضی سے بورڈنگ ہاؤس میں ڈال دیا دانش اپنے آفس کے ایک بزرگ دوست سے اپنے دل کا حال بیان کرتا وہ ایک شفیق انسان تھے۔ متین صاحب کا دل دانش کا حال دیکھ کر بہت دکھتا وہ دانش کا ہر طرح سے خیال رکھتے۔

دانش نے مہوش کے بعد ایک کامیاب بزنس مین بننے کا فیصلہ کیا اس نے اپنا فلیٹ بیچ دیا اور اس کی ساری رقم اپنے ایک دوست کے ذریعے اسٹاک ایکسچینج میں لگا دی۔ قسمت کی دیوی اس پر مہربان تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے تیور آسمان کو چھونے لگے اور وہ راتوں رات امیر ہو گیا۔ اس کا دوست دانش کو جوانی سے جانتا تھا۔ یونیورسٹی میں بھی ساتھ تھے اور وہ اس کے اور مہوش کی محبت کی شادی کے بارے میں باخبر تھا۔ ان کی طلاق اور مہوش کی بے وفائی کا جان کر اسے اور اس کی بیوی کو شدید دکھ پہنچا وہ ہر طرح سے دانش کے ساتھ تھے۔ دانش نے اپنا گھر لے لیا، گاڑی لے لی، رومی کو بورڈنگ سے گھر لے آیا۔ رومی بھی بہت حیران تھا اور خوش بھی۔ لیکن وہ ماں کی کمی بہت محسوس کرتا تھا۔ ایسے میں اس کی ایک ٹیچر

جو کہ متین صاحب کی بیٹی تھی اس کا بڑا خیال رکھتی۔ مہوش کے بارے میں جان کر تو وہ اور زیادہ رومی کے قریب ہو گئی۔ اچانک متین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران دانش کو پتا چلا کہ وہ متین صاحب کی بیٹی ہے۔

مہوش شادی کے بعد شہوار کے ساتھ بیرونِ ملک چلی گئی تھی۔ واپس لوٹی تو رومی یاد آیا اس سے ملنے فلیٹ پر گئی اور دانش سے رومی کا مطالبہ کیا۔ دانش نے صاف انکار کر دیا کہ میں شہوار جیسے بد کردار انسان کے ساتھ اپنے بیٹے کو رہنے نہیں دے سکتا۔ تم جب چاہو اسے بورڈنگ میں مل لو۔ مہوش کو یہ اپنی توہین لگی۔ شہوار نے اس سلسلے میں دانش کو دھمکی بھی دی۔ جس پر دانش غصے میں آ گیا اور اسے دو تھپڑ بھی رسید کر دیے اور کہا

"جو میری پہلی بیوی تمہارے گھر پر ہے وہ بِک گئی تھی اور جو بِک گئی اسے خریدار کے پاس ہی ہونا چاہیے۔ بات اب میرے بیٹے کی ہے جو میری طاقت ہے۔ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر مت دیکھنا ورنہ تمہیں بے عزت کرنے میں مجھے دو منٹ بھی نہیں لگیں گے"۔ (۶)

مہوش رومی سے ملنے بورڈنگ ہاوس گئی تو رومی نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا۔ مہوش نے سکول میں کافی شور و غل کیا، لیکن بے سود، ادھر شہوار کے کاروبار میں مسلسل نقصان جاری تھا اور دوسری طرف دانش دن دگنی رات چگنی ترقی کرنے لگا۔ مہوش کے جانے بعد تو جیسے اس پر قسمت کی دیوی مہربان ہو گئی۔ رومی دن بدن اپنی ٹیچر کے قعیب آتا رہا یہاں تک کہ اس نے دانش اپنی ٹیچر سے شادی کرنے کا کہہ دیا۔ اصل میں رومی کو اپنی ٹیچر بہت پسند تھی۔ ٹیچر کو بھی رومی اور اس کے بابا بہت پسند تھے۔

دوسری طرف مہوش شہوار کو شادی کے لیے زور دینے لگی۔ آخر کار وہ مان گیا۔ لیکن عین شادی کے دن نکاح سے پہلے اس کی پہلی بیوی ماہم امریکہ سے آ گئی اور مہوش کو ایک زبردست تھپڑ رسید کرتے ہوئے گھر سے نکال دیا۔ اصل میں شہوار کے کاروبار اور ہر چیز کی اصل مالک تو وہی تھی۔ اس نے شہوار کو چیئرمین شپ سے محروم کر دیا۔ ماہم نے اپنا سارا کاروبار خود سنبھال لیا اور شہوار پہلے کی طرح ایک عام ملازم بن کر دفتر جانے لگا۔ لیکن یہ بے عزتی وہ زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکا اور دفتر اور گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

دوسری طرف مہوش ماہم سے بے عزت ہو کر ہاسٹل چلی گئی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا ہوا کیا ہے اس کے خواب پل بھر میں چکنا چور ہو گئے۔ وہ رومی سے ملنے اس کے اسکول چلی گئی۔ اس وقت تو رومی اس سے مل لیا لیکن آئندہ اسے وہاں آنے سے منع کر دیا کہ اس کے دوست اسے پوچھیں گے کہ یہ تمہاری ماما سکول کے گیٹ پر تم سے کیوں ملتی ہیں۔ فون پر بات کر لیا کریں۔ مہوش کے مشترکہ دوست سلمان اور عائشہ سے بھی ملی جنہوں نے دانش کو سٹاک ایکس چینج

میں متعارف کروایا تھا۔ اس نے معافی کا مطالبہ کیا وہ ہانیہ ٹیچر سے بھی ملی کہ مجھے سزا تو مل گئی ہے۔ شہوار نے مجھے چھوڑ دیا ہے لیکن ہانیہ نے اسے یہ آشکار کروایا کہ وہ اللہ کی گناہ گار ہے اور جسے وہ سزا سمجھ رہی ہے کہ مل گئی وہ تو سزا کی شروعات ہے۔ اللہ کے ساتھ جنگ میں کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا۔

ایک دن شہوار کی بیوی ماہم اس سے ملنے آئی کہ چھ ماہ تم نے شہوار کو خوش کیا ہے میں اس کی قیمت دینے آئی ہوں اور اسے دو کروڑ کی رقم دے کر چلی گئی۔ مہوش نے دانش کے ابا والا فلیٹ خرید لیا اور وہاں رہنے لگی۔ مونٹی کی بھی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنی سابقہ حرکتوں پر کافی شرمندہ تھا۔ مہوش نے اسے دانش سے ملنے کا کہا کہ ایک بار آ کر مل جائے اسے یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اسے روک لے گی۔

رومی کافی فذبذب کا شکار تھا ایک طرف ماں تھی دوسری طرف ٹیچر ہانیہ جسے وہ ماں کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ دانش نے اسے بتایا کہ اس کی ماما اب اس گھر میں اس کی بیوی کے روپ میں نہیں آسکتی۔ تو رومی سمجھدار تھا۔ اس نے بات کو قبول کر لیا اور باپ کو ہانیہ سے شادی کے لیے رضامند کرنے لگا۔ آخر کار دانش ہانیہ سے شادی کے لیے رضامند ہوا اور اسے کہہ دیا ہانیہ بھی راضی ہو گئی۔ لیکن جب مہوش کا پیغام مونٹی نے اسے سنایا تو وہ آخری بار مہوش سے ملنے فلیٹ پر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ یقیناً ایک جان لیوا فیصلہ تھا جو اس نے مہوش کو خوش کرنے کے لئے کیا۔ مگر وہ یہ دکھ برداشت نہ کر سکا فلیٹ کے دروازے پر ہی اسے دل کا شدید دورہ پڑا۔ اسے فوراً ہسپتال پہنچایا گیا لیکن جو جانبر نہ ہو سکا۔ آخری وقت میں اس نے ہانیہ کو اپنے بچے کا سرپرست بنایا کہ وہ اس کا خیال رکھے گی۔ اس طرح ڈرامے کا اختتام نہایت دکھی کر دینے والا تھا۔

ڈرامہ "میرے پاس تم ہو" بھی ایک ایسا ہی ڈرامہ ہے جو دیکھنے والے کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ اس افراتفری کے دور میں جب کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ اتنی لمبی اقساط کے ڈرامے دیکھے، لیکن اگر کہانی پر لکھاری کی گرفت مضبوط ہے اور دکھانے والے نے اُسے اتنی خوبصورتی سے دکھایا ہے تو یقیناً قارئین مجبور جاتے ہیں کہ وہ ایسے ڈرامے دیکھیں لاکھ مصروفیت کے باوجود اُنہیں اُس کے نشر ہونے کا وقت یاد ہوتا ہے اور وہ اس کا انتظار کرتے ہیں۔

میڈیا پر ایک چھوٹی سی خبر کو بھی اگر اچھے طریقے سے پیش کیا جائے تو اُس کا اثر کئی دن تک رہتا ہے۔ مثلاً اخبار میں کسی کی خودکشی کی خبر ہمارے لیے ایک عام خبر بن چکی ہے۔ چوری ڈکیتی کی خبر بھی ہم ایک بار پڑھ کر تھوڑی ہی دیر میں بھول جاتے ہیں۔ کسی کی بیوی کسی دوسرے شخص کے ساتھ اپنے شوہر اور بچوں کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے تو ہم وہ خبر کو سن کر

نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر یہی خبر ڈرامائی انداز میں میڈیا پر پیش کی جاتی ہے تو ہم بار بار دیکھتے ہیں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ دلی طور پر ہم غمگین ہو جاتے ہیں یہ میڈیا کی طاقت ہے کہ وہ ہمارے ذہین و دل پر اس قدر اثر انداز ہوتا ہے۔

"میرے پاس تم ہو" میں بھی خلیل الرحمن قمر میں جس طرح اُس کو لکھا۔ من و عن ڈائریکٹر نے اُسی طرح پیش کیا۔ عورت کی بے وفائی، مرد کی محبت اس ڈرامے کے بنیادی موضوع تھے۔ جو ہمارے معاشرے کے لیے نئے نہیں ہیں ایسے کئی ناول، افسانے، سچی کہانیاں، اخباروں اور رسائل میں ملتی ہیں۔ لیکن اس ڈرامے میں ہر شخص نے مرد سے ہمدردی دل کی گہرائیوں سے کی۔ بعض لوگ عورت کو وفا کی دیوی سمجھتے تھے لیکن اس ڈرامے کو دیکھنے کے بعد کئی دن یا کئی مہینوں تک عورت کی بے وفائی کا ذکر کو گ آپس میں کرتے رہے۔ ہیرو کی موت کو تو ایسے لیا گیا جیسے ہمارا کوئی بہت پیارا اس دنیا سے چلا گیا۔ لڑکیاں اور خواتین اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکیں اور اس دکھ سے نکلنے میں کئی دن لگ گئے۔

آج بھی جب ہم اس ڈرامے کا ذکر کرتے ہیں تو ہمیں مہوش سے نفرت اور دانش سے محبت اور ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ آج بھی اگر ہم اس کا کوئی سین دیکھتے ہیں تو ہم پوری قسط ضرور دیکھتے ہیں۔ یہ میڈیا کی طاقت ہے جو کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کا اثر ہم پر دیر تک رہتا ہے۔ اگر میڈیا مثبت چیزیں دکھاتا ہے تو ہم پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اگر میڈیا کسی منفی سوچ کو پیش کرتا ہے تو اس کے منفی اثرات ہماری زندگی اور شخصیت پر مرتب ہوتے ہیں۔ ہم اسی طرح کا ردعمل دیتے ہیں جس طرح کا ردِ عمل میڈیا دیکھنا چاہتا ہے۔ کسی ڈرامے میں کہانی کے بعد ڈائیلاگ یا مکالمہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر ڈائیلاگ کو پیش کرنے کا انداز اداکار صحیح معنوں میں جان لے تو دیکھنے والا اس کی گرفت میں آجاتا ہے۔ اس ڈرامے کا موضوع ہماری روز مرہ معاشرتی زندگی کا حصہ ہے۔ پسند کی شادی دولت کی چاہ، بے وفائی، دھوکہ یہ سب ہم آئے دن اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں۔ کوئی ماں بچوں کو چھوڑ کر چلی گئی۔ ایک دو منٹ کی خبر ہوتی ہے ہمارے لیے ہم ہر گز نہیں سوچتے کہ جن بچوں کو وہ چھوڑ کر گئی ہے ان کی زندگی پر ماں کے اس عمل کا کیا اثر پڑتا ہے۔ رومی کا وہ جملہ بڑا اہمیت کا حامل ہے جب باپ اسے سمجھاتا ہے کہ "جب بیوی چھوڑ کے چلی جاتی ہے تو وہ بیوی نہیں رہتی لیکن جب ماں چھوڑ کر چلی جائے تو وہ ماں ہی رہتی ہے"۔

اس کے جواب میں رومی کہتا ہے۔ "بابا! ماما بھی جب چھوڑ کے چلی جائیں تو وہ ماما نہیں رہتی"۔

دل کو کاٹ لینے والا مکالمہ تھا باپ بیٹے کا۔ اسی طرح ایک جگہ دانش مہوش کو اس کی کمزوری کا اس طرح بتاتا ہے کہ "تم اتنی طاقت ور نہیں ہو مروت میں عورت کی حرمت بھول جاتی ہو"

رائٹر نے مرد کو محبت کا دیوتا دکھایا ہے حالانکہ ہمارے معاشرے میں عورت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ عورت وفا کی دیوی ہوتی ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہے لیکن بے وفائی نہیں کر سکتی نہ اپنے مرد سے نہ ہی اپنی اولاد سے۔ لیکن خلیل الرحمن قمر کے خیال میں جس طرح سارے مرد ایک سے نہیں ہوتے اسی طرح عورتیں بھی ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ اگر ایک عورت محبت اور وفا کا مجموعہ ہے تو دوسری عورت بے وفا بھی ہو سکتی ہے اور گناہ گار بھی۔ اسی طرح مرد وفا میں جان بھی دے سکتا ہے۔

"تمھارے علاوہ کوئی دوست ہی نہیں میرا۔ مجھے لگا میرے پاس تم ہو تو مجھے کسی دوست کی ضرورت ہی نہیں ہے کبھی جب لگتا ہے میری جیب میں پیسے کم ہیں تو والٹ نکال کر تمھاری تصویر دیکھ لیتا ہوں پھر ایک پل میں امیر ہو جاتا ہوں"۔[7]

ڈرامے میں بے وفائی کے ساتھ ساتھ ایک موضوع یہ بھی تھا اگر ہمارے رزق میں ناجائز کمائی کی ملاوٹ ہو گی تو رشتوں میں بھی ملاوٹ ہو جائے گی وہ پاک نہیں رہیں گے۔ ایسا ہی دانش کے ساتھ ہوا اس نے تھوڑی سی رشوت لی تھی مگر اس کا خمیازہ یقیناً قیامت تک بھگتے گا۔ بیوی کی بے وفائی نے اسے پہلے ہی مار دیا تھا وہ سب جانتا تھا۔ روز اول سے مگر مصلحتاً خاموش رہا دیکھنے والوں کا رد عمل یہی تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ مہوش کو روکتا کیوں نہیں ایسے مرد کہاں ہوتے ہیں ہمارے معاشرے میں ڈرامہ دیکھنے والوں کو اب باقاعدہ غصہ آنے لگا تھا کہ دانش کتنا مجبور کیوں ہے۔ اب نقاد اور دوسرے دیکھنے والے ایک شدید رد عمل کے متقاضی تھے اور پھر یہ رد عمل آیا جب اس نے مہوش سے کہا:

"شہوار نے مجھے تمہارے بدلے پانچ کروڑ دینے کا وعدہ کیا تم گھر سے نکل کر سیدھا بازار میں جا بیٹھی۔"

"قیمت کوئی بھی ہو لڑکی بک جائے تو سستی ہوتی ہے"

لوگوں کو یہ مکالمہ آج بھی یاد ہے

"جب بیوی وفادار ہو تو مرد تن کے چلتا ہے۔ پر اب میرا قد چھوٹا ہو گیا ہے لگتا ہے میں ایک چوہے جتنا ہو گیا ہوں۔ یہ مرد اور عورت کا رشتہ بھی عجیب ہے وہ نظر بھر کے دیکھتی ہے تو خدا کر دیتی ہے۔ اور اگر نظر پھیر لے تو خدا سے جدا کر دیتی ہے۔۔۔"[8]

ایک موقع پر جب شہوار مہوش کو لینے آتا ہے اور اب جانے کا سین ہوتا ہے تو دانش اسے کہتا ہے۔

"دیکھنے سننے میں بڑے انٹیلیجنٹ بزنس مین لگتے ہیں لیکن یہاں بھاؤ کرنے میں آپ نے مجھے حیران کر دیا۔ اس دو ٹکے کی لڑکی کے لئے آپ مجھے پچاس ملین دے رہے تھے۔"[9]

اس مکالمے اور خصوصا اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے لوگوں نے دل کی آواز قرار دیا۔ لوگ اس ڈرامے میں اس حد تک محو ہو چکے تھے جیسے ان کے پاس ہی حقیقت میں یہ سب ہو رہا ہے اور دانش ان کا کوئی بھائی، کوئی دوست یا وہ خود ہی ہیں۔ پھر دانش کی موت نے جو اثرات مرتب کئے وہ ایک الگ کہانی ہے لوگ اس حد تک جذباتی ہو چکے تھے کہ وہ ہر حال میں مہوش کو بھی مارنے کا مطالبہ کرنے لگے یا آخری سین کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کرنے لگے کہ دانش کی شادی ہانیہ ٹیچر سے کر دی جائے تا کہ وہ بھی اپنی زندگی میں کچھ سکون دیکھ سکے۔ مہوش کا کردار ادا کرنے والی اداکارہ کو کافی عرصے تک "دو ٹکے کی لڑکی" کہہ کر مخاطب کیا جاتا رہا۔

اس طرح ایک اور ڈرامہ "خدا اور محبت" ہے کہ جس کی ڈرامائی تشکیل اداکاروں کی اداکاری اور مکالمہ اتنے مقبول ہوئے کہ دیکھنے والے خود کو ہی سمجھنے لگے اور ایک لڑکے نے تو مزار پر رہنا شروع کر دیا جس طرح اس ڈرامے کا ہیرو محبت میں ناکامی کے بعد دنیا کی عیش و عشرت چھوڑ کر مزار کا متولی بن گیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میڈیا ہماری زندگی پر میجک بلٹ تھیوری کی طرح اثر انداز ہوتا ہے اور انسانی نفسیات کو اپنے متین کردہ رُخ میں بہا کر لے جاتا ہے۔

صدیوں سے عورت کی وفا ہمارے معاشرے اور ہماری اقدار کا حصہ رہی ہے اور مرد کی بے وفائی کو کوئی بڑا جرم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اگر مرد قصوروار بھی ہو تو یہ کہہ کر بات ختم کر دی جاتی ہے کہ یہ تو مرد ہے۔ خلیل الرحمن قمر نے اس ڈرامے میں سوچ کے اس زاویے کو بالکل بدل کر رکھ دیا کہ عورت جو ہمیشہ سے برصغیر پاک و ہند میں وفا کی دیوی سمجھی جاتی رہی۔ وہ بھی بے وفائی کی مرتکب ہو سکتی ہے۔ موجودہ دور میں جہاں اخلاقی اقدار کو پامال کیا جا رہا ہے اور اخلاقی اقدار کی تعریف بدل کے رکھ دی گئی ہے وہاں عورت کی وفا بھی مشکوک ہونے لگی ہے اور معاشرے کا یہ تاثر کہ مرد بے وفا ہے۔ اور عورت وفادار تو یہ کسک معاشرے کے ہر فرد کے دل میں موجود تھی۔ اس چنگاری کو خلیل الرحمن نے ہوا دی۔ تو یہ ہمارے معاشرے کے مردوں کی دلوں کی آواز بن گئی یہی وجہ ہے کہ اس ڈرامے کو بہت پذیرائی ملی عورت کی بے وفائی کے پیچھے بہت سے نفسیاتی عوامل بھی کارفرما ہیں۔ لیکن خلیل الرحمن نے صرف ایک پہلو یعنی دولت اور آزمائش کو فوکس کیا بہر حال یہ بھی ایک پہلو ہے۔ اگر میڈیا عورت کی وفا اور مرد کی بے وفائی سے متعلق دکھاتا تو بھی انسان کا نفسیاتی رد عمل شاید اسی طرح ہوتا۔

گویا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ میڈیا کا کردار کسی معاشرے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ میڈیا کی وجہ سے ہی لوگوں کے وضع قطع، رنگ ڈھنگ، سوچ اور فکر میں تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ یہ تبدیلیاں فوری اثرات مرتب

کرتی ہیں۔ میڈیا کا یہ کردار نسلوں کو سماجی اور سیاسی بیداری کی طرف لے جانا نہیں بلکہ ان کو ایک خاص ماحول میں رنگنا ہے۔

آج کے تیز رفتار دور میں ہر طبقہ فکر اور نسل کے لوگ ہر طرح کے اثرات کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں اور میڈیا ایسی خبریں اور چیزوں کی پبلی سیٹی کرتا ہے کہ جس سے مخصوص طبقہ فکر کے مفادات کا حصول ممکن ہو سکے۔ میڈیا خبروں کو توڑ موڑ کر اور اپنے مطلب کا رنگ دے کر اور باتوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ جب لوگ یہ خبریں دیکھتے، سنتے اور پڑھتے ہیں تو ذہنی انتشار میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور پھر عوام اپنے حلقوں میں ان خبروں پر بحث و مباحثہ، تبصرے اور باتیں کرتے ہیں اور انہی چیزوں کے حصار میں الجھے رہتے ہیں مثبت کاموں اور اعلی مقاصد سے لوگوں کا ذہن ہٹ کر رہ جاتا ہے

دوسرا اہم پہلو میڈیا کا مثبت کردار بھی بہت اہم ہے۔ میڈیا مثبت قدروں کو بھی فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ حب الوطنی کا جذبہ بھی اجاگر کیا جا سکتا ہے۔ تعصب، تنگ نظری، تفاوت، صحیح اور غلط میں امتیاز کرنا جیسے معاملات میں عوام کی مناسب تربیت کا فریضہ بھی انجام دے سکتا ہے۔

حقیقت سے دور انسانی دماغ کو قابو میں کر لینا اور اس پر اپنا اثر ورسوخ قائم کر لینا میجک بلٹ تھیوری کا بہترین کمال ہے بہت سے افراد اس لفظ سے ہی نابلد ہیں۔ لیکن یہ لفظ ان ہی انسانوں کی زندگیوں کو اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہے۔ جو اس لفظ کی گہرائی سے ناواقف ہیں۔ اس سے قبل شاید اس طرف سوچا گیا بھی تو اس موضوع پر کام نہیں کیا گیا میڈیا کا ہماری زندگی میں ضرورت سے زیادہ عمل دخل اور مکمل طور پر ہم پر حاوی ہو جانا میجک بلٹ تھیوری کا اہم حصہ ہے۔

اس میں ایسا کیا ہوتا ہے جس سے آگہی کی آج کے دور میں سب کو ضرورت ہے۔ جب میڈیا کسی بھی چھوٹی سے چھوٹی بات کو مرچ مصالحہ لگا کر پیش کرے اور ایک ہی بات پر لگاتار بات کی جا رہی ہو۔ اسے سوشل میڈیا کے سیٹلائٹ میڈیا پر بھی مکمل کورج دی جا رہی ہو تو وہ موضوع انسانی دماغ کو مکمل طور پر اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے۔ انسان شعوری و لاشعوری طور پر اس نقطے پر جب بار بار سوچتا ہے تو حقیقی زندگی سے نکل کر میڈیا کی جانب سے تخلیق کی گئی دنیا میں جینا شروع کر دیتا ہے۔ اس حالت میں بظاہر تو وہ تندرست و توانا ہوتا ہے۔ مگر ذہنی طور پر وہ مفلوج ہو جاتا ہے جو کردار اور سٹوری میڈیا پر دیکھتا ہے۔ وہ اس کے دماغ پر مکمل حاوی ہو جاتی ہے۔ یہی در حقیقت میجک بلٹ تھیوری ہے۔

حوالہ جات

1۔ راجیندر ناتھ شیدا، ادب فکر اور سماج، ایشیا پبلشرز بھار گو لین، دہلی، ۱۹۷۲ص ۷

2۔ عبد اللہ، ڈاکٹر، سید، اشارات تنقید، مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۶۶، ص ۳۴۴

3۔ Harold D. Lasswell, Propaganda Technique in the world war,New York : Peter Smith,1927

۴۔ Melvin L.DeFleur, Mass Communication Theories Explaining Origins, Processes and effects,Routledge,London2010,P.131

۵۔ خلیل الرحمن قمر، (سریل) میرے پاس تم ہو، (نشری چینل) اے آر وائی ڈیجیٹل، پاکستان، ۱۷ اگست ۲۰۱۹ تا 25 جنوری ۲۰۲۰ء

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً